ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

عبداللہ حسین کے افسانوں کا سماجی مطالعہ

A SOCIETAL STUDY OF ABDULLAH HUSSAIN'S SHORT STORIES

☆محمد اشرف

لیکچرار شعبہ اُردو، ایمرسن یونیورسٹی، ملتان

☆ڈاکٹر منور آمین

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، انسٹی ٹیوٹ آف ساوتھ رن پنجاب، ملتان

☆منیر احمد

پی۔ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاالدین زکریایونیورسٹی، ملتان

Abstract:
Abdullah Hussain holds a significant place as a writer both in the genres of Urdu novel and Urdu short stories. One of the key themes of his short stories is societal behaviors along with many other themes. He has openly criticized the social tyranny, repression, conservatism, oppression, the exploitative forces and uncivilized norms of the society. He propagates that these savage norms of society have been masked through the civilized face of religion, civilization and morality. He further explains that these are the hypocritical tactics of the powerful sections of society through which they play with the feelings and emotions of the poor. In short, Abdullah Hussain has presented a picture of the society in sarcastic way. . He has created master pieces in the genre of short story while depicting the social realism.

Key Words:
Abdullah Hussain, short story and short story writer, Literature, Society and Societal behaviors, Contemporary awareness, Social Reality, Social Freedom

کلیدی الفاظ: عبداللہ حسین، افسانہ اور افسانہ نگار، ادب، سماج اور سماجی رویے، عصری شعور، سماجی حقیقت، سماجی آزادی

عبداللہ حسین اُردو ادب کے نامور ناول نگار، افسانہ نگار، ترقی پسند، مارکسٹ اور سوشلسٹ ادیب ہیں۔اُن کا شمار اُردو ناول کے اولین معماروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اردو ناول کو نئے نئے موضوعات سے جلا بخشی۔عبداللہ حسین کی اولین وجہ شہرت ناول نگاری ہے انہوں نے چار ناول "اداس نسلیں، باگھ، نادار لوگ اور قید" لکھے ہیں۔ان کا پہلا ناول اداس نسلیں ہیں جس کی کئی دہائیوں کے بعد آج بھی اُردو ادب کے حلقے ہیں دھوم ہے اسی طرح ان کا دوسرا ناول "نادار لوگ" جو ترقی پسندیت کا علمدار رہے جس نے عبداللہ حسین کو ایک بار پھر مقبول ترین ناول نگار ثابت کیا۔عبداللہ حسین نے ناول نگاری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری میں بھی کامل شہرت حاصل کی ان کے تین افسانوی مجموعے شائع ہوئے۔ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "نشیب" جو ۱۹۸۱ء میں منظر عام پر آیا اس میں پانچ افسانے شامل ہیں ۔ عبداللہ حسین کا دوسرا افسانوی مجموعہ "فریب " جو ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا اس میں چھ کہانیاں شامل ہیں ۔ عبداللہ حسین کا تیسرا افسانوی مجموعہ "رات " جس میں ایک ناولٹ اور ایک افسانہ شامل ہے جو ۲۰۱۸ء میں سنگ میل نے شائع کیا ۔ عبداللہ حسین کے افسانوں میں سماجی اونچ نیچ ، سماجی وطبقاتی تقسیم ، ظلم وستم ، بھوک ، افلاس وغربت اور سماجی تنگ نظریوں کی جھلکیاں ملتی ہیں ۔ عبداللہ حسین کے افسانوں میں ایسے کردار سامنے آتے ہیں جو سماج کے مفلوج طبقے کو نوچتے اور ان کا خون چوستے نظر آتے ہیں۔عبداللہ حسین نے ان افسانوں میں سماجی تنگ نظری، معاشرتی بداخلاقی اور سماج کے منافقانہ رویوں پر گہرا طنز کیا ہے اور سماج کی کالی بھیڑوں کو بے نقاب کیا ہے۔مزید وضاحت سے پہلے ایک نظر سماج پر ڈالنا ضروری ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انسان نے جب دنیا میں قدم رکھا تو سب سے پہلے اس کو تین مادی ضرورتیں درپیش آئیں پہلی کھانے کی دوسری سر چھپانے اور تیسری تن ڈھانپنے کی۔ابتداء میں انسان نے جنگلی پھلوں وبوٹیوں پر گزر بسر کیا اور تن ڈھانپنے کے لیے تنکوں کا سہارا لیا اور ساتھ ہی وحشی جانوروں کے ازار سے بچنے کے لیے انسان نے درختوں کے شاخوں سے جھونپڑی تشکیل دی۔دھیرے دھیرے ضروریات بڑھنے لگیں اور ساتھ انسیت اور ہمدردی کی لہر پھوٹی، انسان انسان کا سہارا لینے کے لیے مجبور ہوا۔ایک دوسرے کے قول وفعل سے متاثر ہونے لگا اور سماج کی داغ بیل پڑنے لگی۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مادی ضروریات کی بناء پر ہی انسانی سماج وجود میں آیا۔ کیونکہ سماج سنسکرت زبان کا لفظ ہے جو دو لفظوں سے مل کر بنا ہے "سم اور آج سے"۔ سم کا معنی "اکٹھا یا ایک ساتھ "اور آج کے معنی ہیں "رہنا"یعنی سماج کے لغوی معنی ایک ساتھ رہنا کے ہیں۔ "

اُردو میں اس کے لیے معاشرہ کا لفظ مستعمل ہے جو عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی اکٹھا رہنے کے ہیں۔انگریزی زبان میں سماج کے لیے "Society"کا لفظ رائج ہے جو لاطینی زبان کے لفظ "Socias" سے نکلا ہے جس کے معنی اکٹھا ہونا کے ہیں۔ان لفظوں کے لغوی معنی و مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جہاں افراد ایک جگہ اکٹھے ہوں وہیں سماج بن جاتا ہے لیکن اس کا اصطلاحی مفہوم یوں ہے کہ سماج افراد کا ایسا گروہ ہے جس میں افراد کچھ راویتوں،اصولوں اور فکروں سے بندھے ہوتے ہیں۔ مختلف ماہرین سماج نے سماج کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔بقول مورس گنسبرگ

"Morris Ginsberg"

"A Society is a collection of individuals united by certain relations or modes of behaviour which mark them off from others who do not enter into these relations or who differ from them in behaviour."(۱)

ڈاکٹر محمد حسن کے مطابق :

"سماج بذات خود ایک عظیم اور وسیع ادارہ ہے اور اس کے اتنے رنگ روپ ہیں کہ ان میں وحدت پانا مشکل ہے۔"(۲)

میکاور اور پیج لکھتے ہیں :

"سماج رسم و رواج کا حقائق اور آپسی ہمدردی کا مختلف گروہوں اور شعبوں کا، انسانی برتاؤ اور طور طریقوں کا حزئیت اور مساوات کا نام ہے۔"(۳)

مندرجہ بالا تعریفوں میں میکاور اور پیج نے جو سماج کی تعریف کی ہے وہ وسیع معنی و مفہوم رکھتی ہے کیونکہ سماج نہ صرف افراد کا مجموعہ ہوتا ہے بلکہ اس میں سماجی قدروں کا بھی اہم کردار ہوتا ہے انہی قدروں کی بناء پر سماجی رشتے وجود میں آتے ہیں جن کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔سماج کی بنیادی اکائی فرد ہے جب ایک سے زائد افراد آپس میں محبت، رحملی، ہمدردی جیسی خصوصیات سے لبریز ہوتے ہیں تو ان میں ایک طرح کے سماجی رشتے وجود میں آتے ہیں۔ان سماجی رشتوں کے کئی ذرائع اور وجوہات ہو سکتی ہیں جیسے سیاسی، مذہبی،معاشی،علاقائی، قومی،ادبی اور اخلاقی وغیرہ۔انہی رشتوں سے ایک سماجی ماحول پیدا ہوتا ہے جو سماج کہلاتا ہے سماج کی بنیاد ان اہم چار اکائیوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ عوام: سماج کی پہلی ضرورت عوام ہیں کیونکہ سماج مختلف افراد کے ملنے سے بنتا ہے بغیر عوام کے سماج کی تخلیق ناگزیر ہے۔

۲۔ جماعت: اکیلا فرد سماج تخلیق نہیں کر سکتا اور نہ آدمیوں کا بھیڑ سماج کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ اکیلے فرد اور بھیڑ کا کوئی نظام نہیں ہوتا جبکہ سماج ایک مخصوص قاعدے اور اصول و ضوابط کے تحت جنم لیتا ہے جس کے لیے افراد کا منظم ہونا ضروری ہے۔

۳۔ سکون: انتشار، بے سکونی اور فسادات میں کوئی سماج پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی بے چینی میں کوئی کوئی سماج زندہ رہ سکتا ہے سکون وجہ تخلیق بھی ہے اور ترقی بھی۔

٤۔ ہمدردی: فرد اس دنیا میں اکیلا نہیں رہ سکتا اس کو ساتھ چاہیے ہوتا ہے جو اس کی فطرت میں شامل ہے قدرت نے تخلیق آدم کے بعد ساتھ حوا کو بھی پیدا کیا جو آدم کے لیے ہمدردی اور دلی تسکین کا باعث تھی اسی طرح انسانی ہمدردی اور انسان دوستی سماج کی بنیاد ہیں یہ دونوں خصوصیات ہی افراد کی باہمی کشش اور سماجی رشتے کی بنیاد ہیں جس سے سماج تخلیق ہوتا ہے۔ مختصراً ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ سماج دو یا دو سے زائد ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو مخصوص اور معین اصولوں، عقیدوں اور روایتوں سے جڑے ہوں جن کی طرز زندگی، رہن سہن، رنگ ڈھنگ، رسم و رواج اور دلچسپیوں میں مماثلت و مشابہت پائی جاتی ہو جو مذہبی، سیاسی، معاشی، علمی، ادبی اور اخلاقی رشتوں میں منسلک ہوتا ہے۔ سماج کا اصول ہے کہ ہر انسان اپنے پہلے سے موجود سماج سے تجربہ حاصل کرتا ہے اور اس کو اپناتا ہے اور وہ ساتھ ساتھ ان تجربات کی مدد سے نئے نئے تجربے کرتا ہے اس سے خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسرے انسانوں کو پہنچاتا بھی ہے ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنے تجربات کو آرٹ کی شکل میں سماج کے حوالے کر دیتا ہے جس سے سماج اور آرٹ کا تعلق بھی واضح ہوتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

اَدب ایک آرٹ ہے اس کا سماج کے ساتھ گہرا تعلق ہے ادب سماج سے منقطع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی انحراف کر سکتا ہے کیونکہ ایسا ادب تخلیق ہی نہیں ہو سکتا جس میں سماج کا حوالہ نہ ہو۔ ادب کا براہ راست تعلق سماج سے ہے اَدب انسانی زندگی کا ترجمان ہوتا ہے جس طرح انسان سماج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح ایسا ادب بھی انسان تخلیق نہیں کر سکتا جس میں سماج کا ذکر نہ ہو۔ اَدب میں جس ذات کا اظہار ہوتا ہے وہ سماج کی بنیادی اکائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا اَدب ادب ہی نہیں جس میں سماج کا تذکرہ نہ ہو۔ "ہنس راج "ادب اور سماج کے تعلق کے بارے میں رقمطراز ہیں :

"اَدب اچھا یا برا جیسا بھی ہے زندگی کے لیے ہے اور وہ زندگی کے سماجی اور مادی حالات سے پیدا ہوتا ہے۔"(٤)

ادیب سماج کا حصہ ہوتا ہے جس طرح کے سماج میں رہتا ہے اور اس سے جو اثرات قبول کرتا ہے انہیں صفحہ قرطاس پر پھیلاتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ادیب سماج کے عام افراد سے مختلف ہوتا ہے اور حساس ترین فرد ہوتا ہے مگر وہ اپنے سماج سے کٹ نہیں سکتا۔ دراصل ادیب اور سماج ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں جو دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً جب سماج میں برائی اور بدامنی وجود میں آتی ہے تو ادیب سماج کو سدھارنے کے لیے اپنی تحریر کا استعمال کرتا ہے اور سماج کو نئی ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سر سید احمد خاں جو برصغیر کے مسلمانوں کے بڑے مصلح اور رہنما تھے۔ انہوں نے ١٨٥٧ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کے سماج کو بہتر بنانے کے لیے نہ صرف اپنی ادبی تحریروں کا استعمال کیا بلکہ اس کے لیے ایک نئی صنف اَدب کا آغاز بھی کیا جس سے اُردو اَدب کا حلقہ وسیع ہوا اور ساتھ سماج میں مثبت تبدیلیاں وجود میں آئیں۔ اسی طرح ہزاروں ادیبوں کی تحریریں ایسی ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف ایک سماج کی کایا کو پلٹا بلکہ پورے ہندوستان میں انقلاب برپا کر دیا۔ اسی طرح تقسیم ہندوستان کے بعد جو سماج میں تبدیلیاں آئیں، فسادات، قتل وغارت اور جو وحشت پھوٹی اور اس وقت کے تمام حالات واقعات کو ادیب نے اپنی تحریروں میں جگہ دی۔ خصوصاً افسانوی اَدب میں سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، قدرت اللہ شہاب، جوگندر پال اور عبداللہ حسین کا نام شامل ہے۔

عبداللہ حسین اُردو ناول نگاری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اِن کے افسانوں میں ہجرت، تنہائی کے ساتھ ساتھ سماجی اونچ نیچ، معاشرتی تقسیم اور سماجی الم و دکھ و کرب اور ظلم و ستم کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں انہوں نے سماجی مسائل پر کھل کر بحث کی ہے۔ سماج جس کی بنیاد اکائیوں میں سے ایک اکائی ہمدردی، رحمدلی اور انسیت ہے جس سے افراد کے درمیان کشش پیدا ہوتی ہے اور انسان، انسان کے گلے ملتا ہے۔ مگر عبداللہ حسین نے اپنے افسانوں میں جو سماجی تصویر کھینچی ہے اس میں ہمدردی ناپید ہے اور خود غرضی، ہوس پرستی، اور ظلم و ستم کی بھرمار ہے، بھوک و افلاس کے ساتھ ساتھ تنہائی کا بھی راج ہے جو مایوسیت کی جانب لے جاتا ہے جبکہ ایک بہترین سماج فرد کو زندہ دلی کی طرف راغب کرتا ہے اور اس کو زندگی کے ہر پہلو سے روشناس کرواتا ہے۔

عبداللہ حسین کا پہلا افسانوی مجموعہ "نشیب" میں پہلا افسانہ "جلاوطن" ہے جس کا بنیادی موضوع جلاوطنی، اُداسی اور تنہائی ہے مگر عبداللہ حسین نے جلاوطنی اور تنہائی کے پس منظر میں دو سماجی برائیوں کی طرف نشاندہی کی ہے۔ اس افسانے کا ایک اہم کردار "ہیڈ کلرک" ہے جو ہر وقت اپنے کام میں مگن رہتا ہے اور روزانہ چائے کی ٹھنڈی پیالی پر اکتفا کرتا ہے۔ وطن کی دوری کے سبب یہ لوگوں کے جھرمٹ میں تنہائی کا شکار ہے اور اس کے ماتحت کام کرنے والے چھوٹے ملازم ہر وقت اس کی عادات اور خصائل کو لے کر تضحیک کرتے ہیں اور اس کو انسان سے بھی کمتر کا درجہ دیتے ہیں۔ ہر روز اس کی عادات کا تمسخر اڑاتے ہیں جس کا نقشہ عبداللہ حسین نے یوں مکالماتی انداز میں کھینچا ہے۔

"دیکھو بھئی دیکھو۔۔۔۔ کوئی کہتا۔

سب آنکھوں کے کونوں میں سے ایک طرف کو دیکھتے۔

ہی ہی ہی۔۔۔۔ کوئی دبی ہنسی ہنستا۔

ہی ہی ہی۔۔۔۔ سب ایک ساتھ ہنستے۔ پھر کچھ دیر تک جبڑوں کی چپ چپ اور برتنوں کی کند آوازیں اوپر آ جاتیں۔ "

ارے ہائے یار۔ کبھی تو بلالو بے چارے کو۔" پھر کوئی کہتا

ہاں یار۔ کسی روز یہ بھی تو کر کے دیکھیں۔۔۔۔۔

جانے دے یار، ایسا آدمی ہے کباڑیا۔۔۔۔"(٥)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

اس افسانے کا تانا بانہ بیرون ملک سے ہے مگر عبداللہ حسین نے جو دو سماجی نکات بیان کیے ہیں ان کا تعلق پاکستانی سماج سے ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک تضحیک اور دوسرا غیبت، یہ ہمارے پاکستان کے سماج کی شناخت کا حصہ بن چکے ہیں۔ گویا دوسروں کا مذاق اڑانا اور عیب جوئی کرنا ہمارا قومی مشغلہ ہے جو کسی سماج کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

"جلا وطن ایک کرداری کہانی ہے جس میں ایک ایسے شخص کی روداد بیان کی گئی ہے جو اپنی خاموش طبعی اور پر اسرار حرکات و سکنات کی وجہ سے اپنے ساتھیوں میں وجہ تضحیک بنتا ہے۔"(٦)

"ندی"عبداللہ حسین کا زندہ افسانہ ہے جس میں دو اہم کرداروں کو پیش کیا گیا ہے جو ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے اور اُن کی زندگی کے سولہ سترہ برس بیت چکے تھے ایک دن اچانک ایک راز اُن پر آشکار ہوتا ہے جو دونوں کا جینا دو بھر کر دیتا ہے اس میں پہلا کردار "میرو" ہے جو اپنے ماں باپ کی ناجائز اولاد ہے یہ دکھ اس کے لیے دردِ سر بن جاتا ہے اور دوسری لڑکی "بلانکا اس افسانے کا زندہ کردار ہے۔ بلانکا کو ایک دن اس کی پرورش کرنے والا والد بتاتا ہے کہ وہ اس کا حقیقی باپ نہیں ہے اس کی پیدائش ایک حادثہ تھی تو وہ اس حادثے کو بھلا نہیں سکتی اور اس داغ کو مٹانے کے لیے وہ ہزاروں جتن کرتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنے پالنے والے والدین سے بھی رشتہ توڑ دیتی ہے۔ بلانکا اس داغ کو مٹانے کے لیے زندگی سے فراریت حاصل کرنا چاہتی ہے وہ زندگی میں سماج سے ناجائز اولاد ہونے کے طعنے نہیں سن سکتی اور وہ سمجھتی ہے کہ میری پیدائش ایک حادثہ تھی اور میری تخلیق کا کوئی خواہش مند نہیں تھا گویا میر وجود ایک جرم تھا۔

عبداللہ حسین نے بلانکا کے دکھ کو اس کی زبانی ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے بلانکا کہتی ہے :

"دنیا میں کوئی میری پیدائش کا خواہش مند نہ تھا کہ خدا نے اپنے عکس میں مجھے تخلیق کیا اور اس پر شرمندہ ہوا کہ میرا وجود ایک جرم تھا جو سڑک کے کنارے سرزد ہوا اور پکڑا گیا اور نشر ہوا لیکن کسی کے سر نہ چڑھا اور ساری دنیا کی ذمہ داری بن گیا۔"(٧)

عبداللہ حسین نے اس افسانے میں ایک سماجی برائی کی طرف اشارہ کیا ہے اور گہرا طنز کیا ہے کہ مرد اور عورت جذباتی ہو کر ناجائز تعلقات قائم تو کر لیتے ہیں مگر ان کے کالے کرتوت کی وجہ سے پیدا ہونے والی ناجائز اولاد کس طرح سماج میں دھکے کھاتی ہے اور جیتے جی ان کی زندگی جہنمی ہے۔ سماج میں ان کی کوئی قدر و قیمت اور مقام نہیں ہے اور ان پر ہر طرف لعن وطعن کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور سماج ان کے لیے اپنے دامن کو سکیڑ لیتا ہے ان کے لیے زمین بھی تنگ ہو جاتی ہے بلانکا جو بظاہر خوش باش اور مسکراتی نظر آتی ہے مگر داخلیت کے اعتبار سے ٹوٹ چکی ہے اور وہ موقع پا کر اپنا شدید ردعمل بھی دیتی ہے وہ اپنی پیدائش کا الزام نہ صرف سماج کو لگاتی ہے بلکہ وہ اس میں خدا کو بھی شریک سمجھتی ہے گویا آخر میں وہ صاف لفظوں میں کہتی ہے میری پیدائش کا جرم در سارا سماج ہے۔ آخر کار بلانکا ندی میں گر کر موت کو گلے لگا لیتی ہے۔

عبداللہ حسین نے سماج پر گہرے طنز کے نشتر برسائے ہیں اور سماج کی حقیقت واضح کی کہ سماج کی تنگ نظری، گھٹن، اور سماجی ظلم و ستم، کس طرح نئے انوکھے جرائم کو جنم دیتا ہے۔ جب سماج فطرت اور انسانی جبلت کے برعکس ہوگا تو فرد سماج کی ناپائیدار حصاروں کو پھلانگ کر داخلی تسکین حاصل کرے گا کیونکہ سماج کی قدغنیں جاہلانہ رسومات اور قدامت پسندی نے ہمیشہ ہی سے فرد کو ناقابلِ یقین اقدامات اٹھانے پر مجبور کیا ہے۔ عبداللہ حسین کے افسانے "پھول کا بدن" میں اس ہی قسم کی داستان بیان کی گئی۔ "پھول کا بدن" میں سماجی قدغنوں اور عورت پر ہونے والے ظلم کو بے نقاب کیا گیا ہے اس افسانے کی کہانی کچھ یوں ہے کہ لڑکا "نعیم" اور "ثروت" لڑکی ایک ہی گھر کے افراد تھے دونوں اکٹھے رہنے اور ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے دونوں ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے تھے اور جھگڑتے بھی تھے۔ عبداللہ حسین نے دونوں کی ماضی کی ایک سکول کی داستان بیان کی ہے عبداللہ حسین لکھتے ہیں کہ :

"اس وقت سے کہ جب وہ اور اس کے کنبے کا بڑا لڑکا سکول پڑھا کرتے تھے اور دونوں کی کسی بات پر لڑائی ہوئی تھی اور دونوں کو سزا ملی تھی چھٹی کے بعد تک ایک تختی لکھتا رہا اور دوسرا سکول کے پودوں کو پانی دیتا رہا تھا اور بعد میں گلے میں بستے لٹکائے دونوں بظاہر ایک دوسرے سے بے خبر آگے پیچھے چلتے گھروں کو لوٹے تھے پھر ایک دن دونوں کی کسی بات پر صلح ہو گئی اور دوستی کا آغاز ہوا تھا۔"(٨)

ثروت، نعیم سے محبت کرتی تھی اور اسے زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی تھی۔ ثروت نے اس حوالے سے نعیم تک پیغام پہنچایا تھا مگر نعیم خاموش رہا اور ساتھ ہی ثروت کی شادی محمود سے کروا دی تھی اور وہ اس کے ساتھ خوش نہ تھی اب ثروت اور محمود کے درمیان لڑائی جھگڑے کا تانتا بندھا رہتا ہے اور نعیم ان کی صلح کروانے پر مصر ہے جس کا نقشہ عبداللہ حسین نے مکالماتی انداز میں کھینچا ہے۔

"میں تمہارا روز روز کا جھگڑا چکاتے ہوئے تنگ آ چکا ہوں، جھگڑے میں آپ خود پڑے ہیں، کیسے؟ آپ نے میری شادی کرائی تھی

تو میں۔۔۔اس کا قصوروار ہوں؟ آپ اس میں شریک ہیں بہر حال۔"(۹)

نعیم، ثروت کو سمجھاتا ہے کہ اب دیر ہو چکی ہے اور زندگی کی گاڑی کو موڑا نہیں جا سکتا۔ اس افسانے کی بنیادی حیثیت محبت ہے ثروت، نعیم سے محبت کرتی ہے اور اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے بتایا بھی تھا مگر اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔ ثروت بتیس تیس سالہ شادی شدہ لڑکی ہے اس کی بے چینی کی وجہ دو سماجی وجوہات ہیں پہلی یہ ہے کہ اکثر اوقات ہمارے سماج میں عورت کو سماجی، اخلاقی اور جذباتی آزادی حاصل نہیں ہے رسم و رواج کے مطابق لڑکی سے اس کی شادی کے وقت اس کی خواہش معلوم نہیں کی جاتی بلکہ سماج میں اس کو توہین سمجھا جاتا ہے اور اس کی مرضی، مزاج، فکر اور میلان کے بغیر کسی بھی مرد سے چمٹا دیا جاتا ہے جیسے ثروت کو محمود کے ساتھ بھیج دیا جاتا ہے۔

"اوہ ثروت۔۔۔اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا :

"اس میں میرا کیا قصور "!

تمہارا قصور۔۔۔وہ بولی: "محمود تمہارا دوست تھا اور تم نے میری شادی ٹھہرائی تھی۔۔۔تم مجھ سے پوچھ نہیں سکتے تھے "

پوچھنے کے لیے تمہارے گھر والے موجود تھے۔ "

گھر والے۔۔۔وہ بولی: گھر والے کیا ہیں۔۔۔وہ تو محض گھر والے ہیں۔"(۱۰)

سماج میں عورت کے جذبات کو کچل کر اس کی خواہشات سے کھیلا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو کر نفسیاتی مریض بن جاتی ہے اور ساری زندگی نہ چاہتے ہوئے تابع اور فرماں برداری میں گزار دیتی ہے دراصل یہ جبر اور احساسِ کمتری معاشرے میں عورت کی اہمیت کو مزید کمزور کر دیتا ہے اور یہ احساسِ کمتری عورت کے لیے مستقل المیے سے کم نہیں ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی شدید ردِ عمل کا اظہار کرتی ہے اور سماج سے اس کی اندھی قدغنوں کا انتقام لیتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نعیم کا غیر شعوری رویہ ہے۔ ثروت جو مشرقی روایات کی پروردہ ہے جس سماج میں عورت کو خواہشات کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ ثروت، نعیم کو شدت سے چاہتی ہے لیکن سماج اس کو اظہارِ رائے کی آزادی نہیں دیتا اور یہی المیہ ہر مشرقی عورت کا ہے۔ ثروت، نعیم کی اس لاتعلقی اور بے توجہی کی وجہ سے سخت دکھی اور رنجیدہ ہے۔ نعیم سے اس کی بے توجہی کا بدلہ ثروت لیتی ہے اگرچہ نوجوانی میں نعیم کا ساتھ حاصل نہ ہوا، لیکن اس نے شادی شدہ زندگی کی سفاک حقیقت کی آہنی دیوار توڑ کر اپنے جسم کو نعیم کے حوالے کر دیا۔ یوں ثروت نے سماج کے رسوم و رواج اور بندھنوں سے بغاوت کی اور دوسری طرف نعیم سے اس کی بے توجہی کا انتقام لیا۔

"نعیم۔۔۔وہ بولی: میرے حلق میں ایک پھانس ہے "

مگر میں کیا کر سکتا ہوں ژ "

مجھے آزادی چاہیے۔ "

کیسے۔۔۔وہ چیخ کر بولا: کیسے ؟

پھر اس کی خاموش بے باک نظروں اور ہوا میں پھیلے ہوئے، بولتے ہوئے، فریاد کرتے ہوئے مایوس، بے حجاب ہاتھوں کو دیکھ کر وہ سن رہ گیا۔"(۱۱)

"فریب" عبداللہ حسین کا وہ افسانوی مجموعہ ہے جس میں انہوں نے کھل کر سماجی مسائل کو بیان کیا ہے افسانوی مجموعے کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج کے فریب، ظلم و ستم، دنگا فساد، دھوکا دہی اور مکاری کو موضوع بنایا گیا ہوگا۔ اس میں انہوں نے سماج کے ظالم اور دھوکے باز افراد کی نشاندہی کی ہے جو سماج کے مظلوم افراد پر ظلم کرتے ہیں اور ان کو فریب میں مبتلا کر کے اپنے ظالمانہ اہداف حاصل کرتے ہیں۔ جنھوں نے سادہ لوح لوگوں کو بہکانے اور انہیں استعمال کرنے میں کامل مہارت حاصل کر رکھی ہے۔ ڈاکٹر محمد امجد عابد، عبداللہ حسین کے فکشن میں عصری شعور اور سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

"عبداللہ حسین اس اعتبار سے اُردو کے افسانوی اَدب کا ایک نام ہے جس کے ہاں کہانی کے بدلتے تناظر میں ان عصری صداقتوں کو واشگاف کیا گیا ہے جن کی تہہ میں اپنے عصر کا شعورانہ ادراک ایک گہری سماجی حقیقت نگاری کا حاصل بن کر زندگی، سماج اور افراد کے ذہنی رویوں کی علامت بن جاتا ہے۔"(۱۲)

افسانوی مجموعے فریب میں چھ افسانے شامل ہیں اس میں پہلا افسانہ "بیوہ" ہے عبداللہ حسین نے "بیوہ" استعاراتی نام استعمال کر کے سماج کے سر کردہ افراد پر گہری تنقید کی ہے اور اس سماج کے منافق سیاسی لیڈر، لیٹرے مُلاؤں اور سفاک گدی نشینوں کو بے نقاب کیا ہے یہ سارے کے سارے عموماً خود کو سماج کے علمدار اور سماجی ترقی کے ٹھیکیدار سمجھتے ہیں مگر ان کے چمچہ گیروں نے طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔ سیاسی لیڈروں کے منشی، ملاؤں و پیروں کے خلفاء پہلے اپنے پیٹوں کو ترجیح دیتے ہیں اگر ان سے کوئی چیز بچ جائے تو وہ غریبوں تک پہنچ پاتی ہے۔"بیوہ" دراصل دو میاں بیوی کی کہانی ہے جو دیہات سے اٹھ کر شہر کی طرف آئے ہیں تاکہ پُر مسرت اور ماڈرن زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں مگر یہاں ان کو رسوائی، بھوک اور افلاس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بیوی زہرہ کہتی ہے کہ وطن واپس لوٹ جائیں مگر اس کا شوہر اکرم سماج کے لوگوں کے طعنوں سے ڈرتا ہے اور شہر میں رہنے پر مصر ہے۔ زیورات اور قیمتی اشیاء فروخت کرتے ہیں اور چند دن اچھے گزر جاتے ہیں مگر بعد میں اکرم کو در در کا بھکاری بننا پڑتا ہے اکرم اور زہرہ جس سماج میں رہ رہے ہیں وہاں غریبوں اور مفلسوں کے ساتھ بیوہ جیسا سلوک کیا جاتا ہے منافق اور مکار سیاست دان جھوٹے نعروں سے ان غریبوں کو تسلیاں دیتے ہیں۔ عبداللہ حسین نے اِس افسانے میں ایک کونسلر کا تذکرہ کیا ہے جس کا نمائندہ روزانہ چار چھے بندوں کو اکٹھا کر کے تقریریں کرتا ہے۔ کونسلر کا نمائندہ چوہدری آصف کہتا ہے کہ :

"غریبوں کو روٹی دیں گے اور یہ دیں گے اور وہ دیں گے اس وقت گوگا تندور جلاتا ہے اور گرم گرم روٹیاں چوہدری آصف اور اس کے بندوں اور آگے ان کے بندوں اور آگے ان کے بندوں کو دیتا ہے یہ لوگ سارے کا سارا پورا آدھا کھا جاتے ہیں اور آدھا گھر بھیج دیتے ہیں۔"(۱۳)

عبداللہ حسین نے اس افسانے میں سماجی ناانصافیوں، تنگ نظریوں اور گھٹن کو واضح کیا ہے کہ اکرم اور زہرہ ایسے سماج میں رہ رہے جہاں اُن کے ساتھ بیوہ جیسا سلوک کیا جاتا ہے جیسا کہ سماج میں ہوتا ہے کہ بیوہ کو در در کی خاک چھاننا پڑتی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ بیوہ پر سماج کا ہر فرد اپنا حق سمجھتا ہے جیسا چاہتا ہے ویسا ہی سلوک کرتا ہے۔ چوہدری آصف اور گوگا سماج کے وہ فرد ہیں جو اکرم کو بیوہ سمجھ کر اپنا حکم چلاتے ہیں۔ اس افسانے میں دلاور ایک ایسا کردار ہے جو خواہشاتِ نفسانی کا پیرو ہے جو غریبوں، ناداروں اور تنگ دستوں سے ان کی مجبوری کی بناء پر ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ اکرم کے گھر میں غربت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے تو دلاور اس کی بیوہ کو ورغلاتا ہے اور اس سے سچے پیار کے وعدے لیتا ہے۔ دلاور کے اندر سے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ناپید ہے جو بہترین معاشرے کا شعار ہے مگر دلاور زہرہ کو تحفے میں انگوٹھی دے کر جنسی تسکین حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عبداللہ حسین نے دلاور کو ایسے سماج کا کردار بنا کر پیش کیا ہے جہاں انسانیت اور ہمدردی ختم ہے اور جنس نگاری نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اکرم اور زہرہ ایسے معاشرے کی شناخت ہیں جہاں انصاف اور الفت ناپید ہے گویا ایک وحشی سماج ہے جس میں کمزور کو شکار کر کے ہڑپ کر لیا جاتا ہے۔ یہاں زندوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے مگر مردوں کو زمین بوس کرنے کے لیے حکومتی کارندے موجود ہیں۔

"آنکھیں" عبداللہ حسین کا طویل افسانہ ہے اس میں عبداللہ حسین نے فلیش بیک(Flash back) تکنیک استعمال کر کے دو سماجی اور نفسیاتی پہلو واضح کیے ہیں۔ اس افسانے میں سلیم ایک ایسا کردار ہے جس کو عبداللہ نے بدی کا استعارہ بنا کر پیش کیا ہے اور دوسرے کردار سید صاحب کو نیکی کا استعارہ بنا کر پیش کیا ہے۔ یہ دونوں ہم جماعت اور ہم وطن ہیں۔ اس میں پہلا سماجی پہلو یہ ہے کہ "مدرسہ" ایک سماجی ادارہ ہے جس میں سماج کی نسل نوع کی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے مگر عبداللہ حسین نے ایسے مدرسے کا نقشہ بیان کیا ہے جہاں اساتذہ خود بگڑے ہوئے ہیں جو بچوں پر بلاوجہ طنز اور تضحیک کے نشتر چلا تے ہیں۔ ماسٹر انیس بیگ ایک ظالم و جابر استاد ہے جو ہر وقت ماتھے پر تیوری چڑھائے رکھتا ہے اور طلباء کو ہتک آمیز لہجوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ سید صاحب جب مدرسے میں جاتا ہے تو انیس صاحب یوں پیش آتا ہے۔

"نام؟ ماسٹر انیس بیگ صاحب نے پوچھا،

سید صاحب رک رک کر اٹھے۔

سید مستنصر باللہ بلگرامی "

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.4 2021

ایں؟ایں؟یہ گڑبڑوالا نام تجھے کس نے دیا؟

والد صاحب نے۔۔۔۔سید صاحب نے بتایا۔

باپ کا نام؟

سید معتصم باللہ بلگرامی۔

اہا چھوٹے میاں گڑبڑ، بڑے میاں گڑبڑ گھبڑال"(۱٤)

ماسٹر انیس بیگ کے اس برے اور تضحیک آمیز رویے کی وجہ سے سید صاحب کی زبان کو قفس لگ جاتا ہے اور وہ کلاس میں ہمیشہ کے لیے خاموشی کو اپنا لیتا ہے مگر سید صاحب باسلیقہ ہونے کی وجہ سے ماسٹر انیس کا گلہ شکوہ زبان پر نہیں لاتا۔دوسری طرف سلیم چوہدری بدی کا بلیغ استعارہ ہے جو اپنی خواہشات کا پجاری ہے اور وہ خواہشات کی تکمیل کے لیے جائز و ناجائز تمام وسائل استعمال کرتا ہے۔ وہ رشوت سے آغاز کرتا ہے اور آخر کار تمام ادبی واخلاقی حدود پار کر جاتا ہے۔ سلیم صاحب جو ایک سرکاری دفتر کا ملازم ہے اور لوگوں سے ان کے تبادلے کروانے میں رشوت لیتا ہے مگر جوں ہی اس کو ترقی ملتی ہے تو اس کے لیے برائی کے مزید دروازے کھل جاتے ہیں وہ مردانہ دفتر کے ساتھ ساتھ زنانہ دفتر کا بھی سربراہ بن جاتا ہے اور عورتوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔

"سلیم کا کردار گمراہی کے کئی منزلوں کو عبور کرتا ہے وہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے رشوت لیتا ہے، ضرورت مند عورتوں کا استحصال کرتا اور ان کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کرتا ہے۔" (۱۵)

"ازدواج" مجموعہ فریب کا تیسرا افسانہ ہے اس میں میاں سلیم اور بیوی نبیلہ ایک ایسے جوڑ کی کہانی ہے جو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے اور دونوں ایک دوسرے کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔شادی کو ایک سال ہو چکا مگر اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔اس میں سماجی نقطہ یہ ہے کہ اکثر اوقات ہمارے سماج میں میاں بیوی کے ہر معاملے میں عورت کو قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔ جبکہ مرد کو معصوم بنا کر پیش کیا جاتا ہے ادھر میاں بیوی میں ایسا ہی معاملہ ہے مرد بیوی کو موردالزام ٹھہراتا ہے جبکہ بیوی مرد کو نااہل سمجھتی ہے اور دونوں کے درمیان میں کشمکش رہتی ہے اس بے اولادی کی وجہ سے عورت پر ظلم وستم کیا جاتا ہے اور ان پر الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔بعض اوقات تو ظلم کے پہاڑ توڑ کر اس کو گھر سے بے گھر کر دیا جاتا ہے لیکن مرد پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ادھر بھی ایسا ہی منظر ہے میاں سلیم، نبیلہ پر ظلم و تشدد بھی کرتا اور بے اولادی کا سبب بھی اسے سمجھتا ہے۔آخر کار ایک دن نبیلہ تنگ آ کر اپنے خون کا ٹیسٹ کرواتی ہے تو اس کو کلین چٹ دی جاتی ہے جبکہ میاں سلیم ٹیسٹ کروانے سے کتراتا ہے لیکن سلیم کو اپنی حقیقت معلوم ہے مگر وہ بیوی سے چھپاتا ہے۔ایک دن نبیلہ میاں سلیم کے باکس کا قفس کھولتی ہے اور اسے ایک رپورٹ ملتی ہے جس پر یہ تحریر تھا کہ میاں سلیم "کوڈارون سنڈروم" بیماری کا شکار ہے جو بچے کی تخلیق میں خلل کا باعث ہے۔عبداللہ حسین نے اس افسانے میں یہ واضح کیا ہے کہ عورت کو بھی چھان بین کا پورا حق ہے ہر بار معاملات و مسائل میں عورت ہی کا قصور نہیں ہوتا بلکہ مرد بھی ہو سکتا ہے دوسرا یہ ہے کہ بانجھ پن کا شکار صرف عورت ہی نہیں مرد بھی ہو سکتا ہے جس سے عورت ماں نہیں بن سکتی۔

"مسخرے" عبداللہ حسین کا وہ افسانہ ہے جس میں انہوں نے سیاسی پس منظر کا حوالہ دے کر سماجی برائیوں اور سماجی رویوں کو بے نقاب کیا ہے۔ حسد، تعصب، خود غرضی اور لالچ ایسی سماجی برائیاں ہیں جو سماج کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔آج سے ہی نہیں صدیوں پہلے کا انسان بھی ایسا ہی تھا جو اپنی شکست ہضم نہ کر سکا اور تعصب و حسد کی بناء پر دوسروں کو موردالزام ٹھہراتا ہے۔مسخرے میں چوہدری اسلم چنڈیلا اور ملک جہانگیر ہیں ملک جہانگیر الیکشن جیت جاتا ہے اور چوہدری اسلم کو شکست برداشت نہیں ہوئی اور وہ طرح طرح کے الزام دیتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے دل میں عوام کا احساس نہیں ہے یہ عوامی خدمت کے جذبے سے عاری ہیں۔ان کے حلقوں میں جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جن سے سرخ رنگ کے کیڑے نکلتے ہیں جو علاقے کی فصلوں کو چٹ کر جاتے ہیں مگر یہ دونوں سیاسی لیڈر کچھ نہیں کر پاتے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔اصل میں جہالت کی انتہا ہے کہ کوئی اس طرف دھیان نہیں دیتا اور انہوں نے تعصب، تنگ نظری کا لباس پہن رکھا ہے۔

"ڈھیریاں تعصب اور تنگ نظری اور جہالت کی علامت بنتی ہیں تو ان سے جنم لینے والے انتہا پسندی اور عدم برداشت کے رویے سرخ مکوڑے ہیں جو ملک میں انسان دوستی اور برداشت کے اعلیٰ اقدار اور جمہوری کلچر کی فصل جو ابھی نومولود ہے چٹ کر رہے ہیں (۱٦)"۔

عبداللہ حسین نے اِس افسانے میں سماجی نمائندوں اور معاشرتی رویوں پر طنز کیا ہے کہ تعصب، لالچ اور خود غرضی کس طرح سماج کو تباہ کر کے دکھ دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج یہ پاکستانی سماج کی ایک تلخ تصویر ہے جس میں جہالت، حسد، کینہ، بغض اور انا پرستی پروان چڑھ چکی ہے۔ فریب اس مجموعے کی سب سے طویل کہانی ہے اس افسانے کے نام سے مجموعے کا نام فریب رکھا گیا ہے۔اِسی افسانے میں نسائی آواز کی جھلک پیش کی گئی۔ سلطانہ سماج کی ایک پڑھی لکھی اور باشعور لڑکی ہے مگر غربت نے اسے غلامی کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ کرم مغل اور رحمت مغل کے ہاں کام کرتی ہے۔ یہ دو افراد کرم مغل اور رحمت مغل جو رشتے میں باپ بیٹا ہیں دونوں جنسی بے راہ روی کا شکار ہیں۔ سلطانہ جو ایک باشعور لڑکی ہے کرم مغل اسے لالچ اور غصے کے زور پر جنسی بے راہ روی کی طرف دعوت دیتا ہے عبداللہ حسین سلطانہ کی زبانی بیان کرتے ہیں :

"میں نے گھٹنوں سے اوپر اس کی رانیں دبانی شروع کر دیں۔ دباتے دباتے میرے ہاتھ ذرا ہی اوپر گئے تو اس کا تہمد اٹھنے لگا، جیسے کوئی خود کار کھلونا جو ایک طرف سے دبانے پر دوسری جانب سے اچھل پڑے۔ رحمت نے ہاتھ سے تہمد کا پلو ہٹا دیا۔ ہائے میاں جی، میں کانپتی ہوئی آواز میں کہا" یہ کیا کر رہے ہیں۔ سلطانہ، یہ سلطان ہے وہ ہنستے ہوئے بولا۔ تیرا ساتھی۔"(۱۷)

سلطانہ ایک سمجھدار اور خوددار لڑکی ہے جو کرم مغل اور اس کے بیٹے رحمت مغل کی تمام پیشکش کو ٹھکرا دیتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ سلطانہ سماج کے پسے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتی ہے مگر عزت کی حفاظت کرنا بھی جانتی ہے اور وہ جسم فروش بھی نہیں ہے وہ ان درندوں کا سامنا کرتی ہے اور اپنی عزت پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتی۔ یہ سلطانہ کے اندر کا شعور ہے جو غریب ہونے کے باوجود عزت کا سودا نہیں کرتی۔ مختصر طور پر عبداللہ حسین نے اس افسانوی مجموعے میں سماجی، ظلم و ستم، ہوس پرستی، طبقاتی روش اور دیگر اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اس مجموعے فریب کے متعلق زاہد حسن لکھتے ہیں :

"اگر یہ کہا جائے کہ کتاب میں شامل کہانی "فریب" اس مجموعے کی ہی نہیں اُردو ادب میں ایک منفرد اور معاصر موضوع کی حامل کہانی ہے جس کا تعلق نیچر، ماحول، ہماری تہذیب و روایات، ہمارے روز مرہ سماجی معاملات اور ہماری اقدار کے ساتھ گہرے طور پر جڑا ہوا ہے تو درست ہو گا۔(۱۸)

عبداللہ حسین اُردو ناول نگاری کے ساتھ ساتھ اُردو افسانہ نگاری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے متنوع موضوعات کے ساتھ ساتھ ایک اہم موضوع سماجی رویے ہیں۔ انہوں نے کھل کر سماجی، قدغنوں، جبر، قدامت پسندی، ظلم و ستم اور سماج کی استحصالی قوتوں اور جاہلانہ رسومات پر کھل کر تنقید کی ہے انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ یہ سماج کو مذہب، ثقافت اور اخلاقیات کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں یہ ایک منافقانہ لباس ہے سماجی درندے ان لباسوں میں ملبوس ہو کر سماج کے نادار طبقے کا استحصال کرتے ہیں اور ان کے جذبات و خواہشات سے کھیلتے ہیں۔ مختصر طور پر عبداللہ حسین نے تلخ الفاظ میں سماج کی تصویر پیش کی ہے ان کے افسانے سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے کسی شاہکار سے کم نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالقادر عمادی، "سماج اور تعلیم"، (نئی دہلی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۷)، ص:۳۵
۲۔ محمد حسن، ڈاکٹر، "ادبی تنقید"، (لکھنو، ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۵۴)، ص:۱۳
۳۔ نگینہ جبیں، "اُردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ۱۹۴۷ء اور اس کے بعد "، (الہ آباد، کیشو پرکاش ، ۲۰۰۲ء)، ص:۲
۴۔ ہنس راج رہبر، "ترقی پسند ادب، ایک جائزہ"، (دہلی، آزاد کتاب گھر، کلاں محل، ۱۹۶۶)، ص:۱۲۹
۵۔ عبداللہ حسین، "جلاوطن"، مشمولہ، نشیب، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶)، ص:۱۲
۶۔ محمد عاصم بٹ، "عبداللہ حسین شخصیت اور فن" (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸)، ص:۴۷
۷۔ عبداللہ حسین، "ندی" مشمولہ "نشیب"، ص:۵۸
۸۔ عبداللہ حسین، پھول کا بدن، مشمولہ "رات"، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸)، ص:۸۲
۹۔ ایضاً، ص:۸۶
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ محمد امجد زاہد، ڈاکٹر، "عبداللہ حسین کے فکشن میں عصری شعور"، مشمولہ "عبداللہ حسین نمبر شمار: ۱۷۰۔۱۱۶، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۸ء ، (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۸)، ص:۵۲۸

۱۳۔ عبداللہ حسین،"بیوہ"،مشمولہ،"فریب"،ص:۱٤

۱٤۔ عبداللہ حسین،"آنکھیں"مشمولہ "فریب"،ص:۲٥

۱٥۔ عاصم بٹ،"عبداللہ حسین شخصیت وفن"،ص:۱٦٤

۱٦۔ ایضاً،ص:۱۸٥

۱۷۔ عبداللہ حسین،"فریب"،مشمولہ،"فریب"،ص:۱٦۳

۱۸۔ زاہد حسن،"عبداللہ حسین کی افسانہ نگاری،"فریب" کے تناظر میں"مشمولہ عبداللہ حسین نمبر: شمار:۱۷۰،۱۱٦، اپریل ستمبر ،۲۰۱۸ئ، (اسلام آباد،اکادمی ادبیات پاکستان،۲۰۱۸)،ص:٤۹٤